عزیز زبیدی، وار برٹن

دسویں صدی ہجری تک

ہند میں علم حدیث کی طرف توجہ کم رہی

شروع سے ہند کی طرف مسلمانوں کی نگاہیں اُٹھ رہی تھیں، چنانچہ ۱۵ھ/۶۳۶ء میں عمان اور بحرین کے گورنر کے ایماء پر حکم شفقی نے بمبئی کی سرزمین (تھانہ) پر حملہ کیا اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے اپنی مشہور منجنیق "العروس" کے ذریعے حملہ کر کے دیبل (ٹھٹھہ) کا قلعہ فتح کیا اور ہند میں اپنے قدم جمائے اس کے بعد بتدریج مسلمانوں کی آمدورفت بڑھتی رہی اور علاقے کے علاقے مسلمان ہوتے چلے گئے۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان تاجر شاہزادگی کے بجائے اسلامی فریضۂ تبلیغ کی خدمات انجام دیتے اور زندگی کا کوئی اسوۂ حسنہ دکھاتے تو ہند میں آج مسلمان اقلیت کے بجائے اکثریت میں ہوتے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ سارا ہند ہی حلقہ بگوش اسلام ہوتا۔

جب مسلمانوں نے یہاں قدم جما لیے تو علماء اور صلحائے اُمت نے قرآن علم وعمل کا فیضان عام کیا اور بہت سے دینی علوم کی بھی خاص نشر و اشاعت کی مگر افسوس! دسویں صدی ہجری تک علم حدیث کی طرف مناسب توجہ نہ دی گئی۔ اس کے اسباب کیا تھے؟ ذیل کی تاریخی سطور میں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں، یہ اقتباس ایک ایسی تاریخی کتاب سے لیا گیا ہے جو ندوی افاضل کی زیرِ نگرانی مرتب ہوئی تھی۔ اس کے مصنف مولانا ابو الحسنات ندوی ہیں، وہ لکھتے ہیں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں منطق و فلسفہ معیار فضیلت ہے۔ ویسا ہی اس زمانہ میں حنفی فقہ اور اصولِ فقہ معیارِ فضیلت تھا، حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا، اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی تھی وہ امام الدنیا فی الحدیث کے لقب کا مستحق ہو جاتا تھا۔

اصل یہ ہے کہ اس زمانہ کے نصاب تعلیم میں جو خصوصیات نظر آتی ہیں وہ فاتحین کے مؤثر ذوق کا نتیجہ تھا۔

ہندوستان میں اسلامی حکومت کا تخت جس قوم نے بچھایا وہ غزنی اور غور سے آئی، یہ وہ بلاد ہیں جہاں فقہ اور اصول فقہ کا ماہر ہونا علم و فن کا طغرائے امتیاز تھا یہی سبب ہے کہ فقہی روایات کا پایہ بلند تھا علم حدیث کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ:۔

"غیاث الدین تغلق کے دربار میں مسئلہ "سماع" کی نسبت مناظرہ پیش آیا، ایک طرف شیخ نظام الدین اولیا اور دوسری طرف تمام علمائے دہلی تھے"

شیخ فرماتے ہیں کہ میں جب کوئی حدیث استدلالاً پیش کرتا تھا تو وہ لوگ بڑی جرأت سے کہتے تھے، کہ اس شہر میں حدیث پر فقہی روایات مقدم سمجھی جاتی ہیں۔ کہیں کہتے تھے کہ یہ حدیث شافعی کی متمسک بہ ہے۔ اور وہ ہمارے علماء کا دشمن ہے۔ ہم ایسی حدیثیں نہیں سننا چاہتے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ جس شہر کے علماء میں اس درجہ مکابرہ و عناد ہو وہ کیونکر آباد رہ سکتا ہے۔ وہ تو اس قابل ہے کہ بالکل تباہ و برباد ہوجائے"

ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت کا واقعہ نقل کیا ہے کہ:۔

مولانا شمس الدین ترک ایک مصری محدث ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج کے لئے ارادہ سے ملتان تک آکر واپس چلے گئے، مگر چلتے وقت بادشاہ کو ایک رسالہ لکھ کر بھیج دیا جس میں اس پر بہت غیرت دلائی تھی کہ ہندوستان میں حدیث کی طرف سے علماء میں بڑی بے اعتنائی پھیلی ہوئی ہے۔ دنیا ساز مولویوں نے بادشاہ تک اس رسالہ کو بھی نہ پہنچنے دیا" (ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں صفحہ ۹۲)

مولانا ابوالحسنات نے ایک اور مقام پر ترویج حدیث کے سلسلے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"وہ ہندوستان سے عرب گئے، اور وہاں تین برس رہ کر علمائے حرمین شریفین سے فن حدیث کی تکمیل کی اور یہ تحفہ ہندوستان کے لئے لائے، انہوں نے اور ان کی اولاد نے برابر اس کی اشاعت کی مگر افسوس ہے کہ ناکامی ہوئی" (ایضاً صفحہ ۹۴)

ہمارے نزدیک اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ ہندوستان میں اکثر مقلد تھے، کیونکہ مقلد تو شوافع حنابلہ اور مالکی بھی تھے مگر احادیث کے سلسلہ میں ان کی جو خدمات ہیں وہ ان کی بہ نسبت کافی وزنی

اور معروف ہیں، اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ "اصحاب الرائے" تھے۔ اور اصحاب الرائے کے مقلد تھے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اسلافِ احناف احادیث کے بالکل کورے تھے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ رائے و قیاس کا میدان ان کی افتادِ طبع کے لحاظ سے ان کے لیے زیادہ سازگار تھا۔ اس لیے اس میدان میں وہ خوب چمکے اور پھلے پھولے لیکن حدیث کے سلسلہ میں واجبی سا واسطہ رکھا، وہ بھی فقہی انداز کا، ایک محدث کی طرح فنی نہیں تھا۔ بلکہ احناف کے بعض اکابر کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بعض اوقات احادیث کی طرف محض اس لئے توجہ دی ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں جانتے یا محض اپنے مسلک کی حمایت کے لئے ان کو اس باب میں کچھ کام کرنا پڑا۔

مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "مرقات شرح مشکوٰۃ" کے لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ چونکہ اس باب میں زیادہ کام شافعیوں نے کیا ہے۔ اس لئے اس سے احناف کے سلسلے میں غلط تاثر پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے مرقات لکھ کر اس بیا اس تاثر کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں، ان کی عبارت یہ ہے:

وایضامن البواعث ان غالب الشراح کانوا شافعیۃ فی مطلبھم و ذکروا المسائل المتعلقۃ بالکتاب علی منہاج مذہبہم ..... وسموا لحنفیۃ اصحاب الرای علی ظن انہم مایعلمون بالحدیث بل ولا یعلمون الروایۃ والحدیث لافی القدیم ولا فی الحدیث ..... فاجبت ان اذکرادلتہم وابین مسائلہم وادفع مخالفتہم لئلا یتوھم العوام الذین لیس لہم معرفۃ بالادلۃ الفقہیۃ ان المسائل الحنفیۃ تخالف الدلائل الحنفیۃ۔ (مقدمہ مرقات صفحہ ۳)

لیکن یہ ایک عجیب لطیفہ ہے، مگر ساتھ ہی اس مشغلہ کا ذکر بھی کر گئے ہیں، جو ایک محدث سے زیادہ اصحاب الرأی کا ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ احناف ظواہر حدیث پر قناعت نہیں کرتے بلکہ بڑی دقت نظر سے کام لیتے ہیں اور خوب باریکیاں پیدا کرتے ہیں۔ عبارت یہ ہے:۔

نعم من رأی ثاقبہم الذی ھو معظم مناقبہم انہم ما تشبثوا بالظواھر بل دققوا لنظر فیہا بالبحث عن السرائر وکشفوا عن وجوہ المسائل نقاب الستائر (مقدمہ صفحہ ۳)

غور فرمائیے! جس الزام سے وہ بھاگتے تھے اسے خود ہی ثابت کر دیا ہے، جس خوبی کا انہوں نے ذکر

وہ واقعی ایک خوبی ہے لیکن یہ ایک محدث کی فنی خوبی نہیں بلکہ ایک فقیہ اور صاحب الرائے کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ حسب ضرورت ان کے پاس احادیث نہیں تھیں اور سارا کام انہوں نے اپنے آئمہ سے حسن ظن کی بنیاد پر ان کے افکار کے مطالعہ سے چلایا۔

وذلك انه لم يكن عندهم من الاحاديث والآثار ما يقدرون على استنباط على الاصول التى اختارها اهل الحديث ولم تنشرح صدورهم للنظر فى علماء البلدان وجمعها والبحث عنها واتهموا انفسهم فى ذلك وكانوا اعتقدوا فى ائمتهم انهم فى درجة الاولياء من التحقيق (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۴۲)

خدمتِ حدیث تو بڑی دولت ہے، حضرت امام بخاریؒ کو تو اصحاب الرائے سے یہ بھی شکایت ہے کہ وہ ایسی حدیثوں کو چھپانے کی بھی کوشش کرتے ہیں، جو ان کے خلاف پڑتی ہیں۔

الرد على من انكر رفع الايدى فى الصلوٰة عند الركوع واذا رفع رأسه من الركوع وابهم على العجم فى ذلك تكلفا لما لا يعنيه فيما ثبت عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم فيه فعله (رواية من اصحابه (جزء رفع اليدين ص ۳)

اصل بات یہ ہے کہ فقہ اور حدیث دونوں شعبے ہیں۔ دونوں جُداگانہ فن ہیں اور اپنی اپنی جگہ دونوں کی ضرورت ہے۔ لکل فن رجال اس لئے اگر کسی ایک میں کچھ کمی ہے تو کوئی بات نہیں۔ اس لئے جو بزرگ حدیث کے سلسلے میں "فنی مہارت" کے فقدان پر غم کھاتے ہیں، غلط کرتے ہیں، یا اگر اتنی احتیاط برت لی جائے کہ جب حدیث اہل فن کی شہادت کی رو سے صحیح ثابت ہو جائے تو اس کا خلاف نہ کیا جائے، تو پھر طعنے دینے والی بات ہی نہیں رہتی جو جس کے قابل ہے وہ اس میں اپنی محنت کا حق ادا کرے اور جس باب میں کوئی دوسرا سند ہے انہیں اسکی طرف رجوع کیا جائے، قرآن و حدیث کی بنیاد پر اجتہاد ہوتا ہے، اس لئے جس حدیث میں بحث کرنا مقصود ہو، اگر خود کو اس سلسلہ میں اعتماد نہ ہو تو اہل فن سے پہلے اس حدیث کے مقام و مرتبہ کا یقین کر لیا جائے تاکہ وقت اور محنت ضائع نہ ہو۔